پاکستانی اردو افسانہ اور قومی تشخص و شناخت کی تلاش

ڈاکٹر زینت افشاں

Dr. Zeenat Afshan

Assistant Professor, Department of Urdu,
Fatima Jinnah University For Women, Rawalpindi.

Abstract:

This research paper titled "Pakistani Urdu Short Story and Search for National identity" have analyzed the Urdu short story since 1947 till day. This reference is a national identification. In this regard, the different perspectives, trends and dictions have been studied and gone through minutely. This article is a successful attempt of searching the milestones of national identification in Urdu short story written after independence. However, this study and analysis somehow or the other takes into account the Urdu short story written before 1947.

برصغیر کی تاریخ میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کوئی حادثہ یا واقعہ نہیں بلکہ صدیوں کی تہذیبی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور ادبی تاریخ سے نمود کرنے والا وہ سنگِ میل ہے، جس کا پس منظر بے حد تاب ناک ہے۔ ہمارا موضوع چوں کہ صرف ادبی ہے اس لیے سیاسی حوالے دے کر مضمون بھاری بھرکم بنا لینا مناسب نہیں ہوگا۔ پھر بھی کم از کم پس منظر کی ایک جھلک سی پیش کر کے آگے بڑھنا ضروری ہوگا۔ برصغیر میں آٹھویں صدی عیسوی میں اسلام کا ورود ایک بڑا تاریخی واقعہ ہے۔ اگرچہ بعد میں برصغیر کی تاریخ نے بڑی سیاسی کروٹیں بدلیں مگر پاکستان کا قیام اس تاریخ کا سب سے نمایاں واقعہ اور سنگِ میل ہے۔ غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں:

> "پاکستان محض جغرافیائی تصور ہی نہیں، تاریخ کا ایک زندہ معجزہ ہے۔ بیسویں صدی کی شفاف حقیقت اور روشنی کا راز ہے۔ صدیوں کے دیاروں سے طلوع ہوتی ہوئی تہذیب ہے۔ خطاطی کی دھنک رنگ قوس ہے۔ تخیل کے کینوس پر ابھرتی تصویر ہے۔ لفظ و خیال کی

دھڑکتی کائنات ہے۔ یہ ملک ادب اور ثقافت کی ایک تابندہ تحریک ہے۔اس ملک کی شخصیت اور نفسیات، مزاج اور معاشرت، طرز احساس اور طرز فکر کو سمجھنے کے لیے اس کی معاشی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور علمی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کی ادبی تاریخ کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ ویسے بھی کسی ملک کی ادبی تاریخ اس ملک کے معاشی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی تاریخ کا عکس ہی ہوتی ہے۔ ہمارے شعر و ادب میں ہماری خاک کے تمام خواب اور عذاب پوری طرح سمٹ آئے ہیں۔ پاکستانی ادب پاکستان کی شناخت اور تشخص ہے۔ پاکستانی قومیت اور پاکستانیت کی تشکیل میں اس کا کردار بہت واضح اور نمایاں ہے۔''(۱)

قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی پاکستانی ادب کی روایت نے جنم لے لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے اردو کے ادیبوں نے بھارت میں اپنی اس قدر شناخت بنائی کہ انہیں احساس ہی نہیں ہو سکا کہ اب پاکستانی اردو ادب کی مضبوط روایت اپنا آپ منوا چکی ہے جس میں پاکستانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے اردو ادب کی جو مشترکہ روایت موجود ہے اُس سے انکار کر دیا جائے:

''پچاس کی دہائی میں زندگی کی مختلف سطحوں پر سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبی اثرات بھی نمایاں ہونے لگے تھے۔ ادب میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے یہ محسوس کیا کہ پاکستانی ادب کی الگ شناخت ضروری ہے جو اس نئی قوم کی اپنی امنگوں کا آئینہ دار ہو۔ یہ اسی فکر کا نتیجہ تھا کہ اُردو میں اسی دہائی میں پاکستانی اور اسلامی ادب کی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ یہ تحریکیں اگرچہ زیادہ دیر برقرار نہ رہیں لیکن ان تحریکوں کی وجہ سے جو نئی فکر پیدا ہوئی اسے ہم پاکستان کا قومی طرزِ احساس کہہ سکتے ہیں۔''(۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ علیحدگی کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے کلچر میں واضح فرق آ گیا۔ ادب چوں کہ بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دیتا ہے تو اردو ادب نے بھی ایسا ہی کیا۔ پاکستان بننے کے بعد موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر واضح تبدیلیاں رُونما ہوئیں جو پاکستانی اردو ادب کی شناخت بن گئیں۔ مثال کے طور پر راجندر سنگھ بیدی ہی کے افسانوں کو دیکھ لیجیے۔ تقسیم سے قبل اور تقسیم کے بعد ان کی افسانہ نگاری کی فضا الگ ہو گئی اور تو اور لفظیات تک بدل گئیں۔

درحقیقت یہ کلچر کی تبدیلی ہے جو تقسیم کے بعد سامنے آئی۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہندو اور سکھ ہندوستان چلے گئے۔ مسلمان اہم ادیب بہت کم تعداد میں پاکستان آئے۔ خاص طور پر جب ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا محال ہو گیا تو کچھ ادیب پاکستان آ گئے، جیسے جوش ملیح آبادی اور نیاز فتح پوری وغیرہ۔

۱۹۴۷ء سے پہلے اردو کی مشترکہ روایت موجود تھی اور اس کا افسانوی ادب دو تہذیبوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ایک طرف ایسے ادیب تھے جو صرف ہندو اور سکھ تہذیب کو پیش کر رہے تھے۔ ان ادیبوں میں پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، بلونت سنگھ وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ منٹو نے ہندو، مسلمان، سکھ اور پارسی تہذیب کو برابر اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم جہاں سیاسی اور تاریخی ضرورت تھی وہاں اس تقسیم کو نفرت، ہوس اور انسان دشمنی نے ہولناک بنا دیا۔ پرانے رشتے ناتے چند لمحات میں ختم ہو گئے۔ اس کے علاوہ دوست احباب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ لوگ ذہنی اور اعصابی طور پر تھکن اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے۔ انسانی بربریّت نے اسے مزید ہوا دی۔ ایسے حالات میں ہجرت، فسادات اور یادِ رفتگاں کو موضوع بنایا گیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستانی افسانے نے کئی مدارج طے کیے:

> ''پاکستان کا قیام ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آیا۔ تحریک پاکستان نے کئی مرحلے دیکھے۔ یہ آزادی آسانی سے ہاتھ نہ آئی بلکہ اس کے پس منظر میں خون آشام کہانی ہے۔ قتل و غارت گری، لوٹ مار اور عصمت دری کے ایسے واقعات ہیں جن کا بیان کرتے ہوئے بھی زبان کپکپاتی ہے۔ کوئی طبقہ اور آدمی ایسا نہ تھا جو اِن حالات سے متاثر ہوئے بنا رہ سکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے ابتدائی برسوں کے ادب پر فسادات کے نقوش بہت گہرے ہیں۔ منٹو، ندیم، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور غرض کوئی ایسا اہم ادیب نہیں ہے جس نے تقسیم کے دنوں کی کہانی رقم نہ کی ہو۔ علاوہ ازیں ہندوستان سے آنے والے ادبا کے ہاں ہجرت کا تصور بھی پیدا ہو۔ یہ وہ سب عناصر ہیں جن سے اگرچہ ایک طرف تو فسادات کے واقعات کا ادراک ہوتا ہے تو دوسری طرف ایک نئی قوم کے سفر کے آغاز کا اشارہ بھی ملتا ہے۔''(۳)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ پریم چند، کرشن چندر، اوپندر ناتھ اشک، راجندر سنگھ بیدی اور بلونت سنگھ کے افسانے صرف ہندو اور سکھ معاشروں کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں اور اس کا سبب کوئی غیر مرئی

نہیں ہے بلکہ ان لکھاریوں نے شعوری طور پر مخلوط یا مشترک معاشرے سے گریز اختیار کیا۔ اسی طرح باقی اصناف میں بھی رویّہ کم وبیش ایک جیسا ہے مگر ادھر پاکستان میں سعادت حسن منٹو مخلوط اور مشترک معاشروں کو کہانیوں کی بنیاد بناتا ہوا نظر آتا ہے۔ لہٰذا منٹو کی تقلید میں دوسرے اردو افسانہ نگار بھی اسی تجربے سے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پاکستان میں تقسیم کے بعد لکھے جانے والے افسانے میں یقیناً برطانوی سامراج کے خلاف غم وغصہ تو موجود تھا مگر ہجرت کے بعد پاکستان ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کے ساتھ بیتنے والے حالات نے تو جیسے افسانے کے موضوع ہی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ انسان کی حرمت اور احترام تمام افسانہ نگاروں کا مشترکہ موضوع نظر آتا ہے۔ یہ ایسا اعلیٰ موضوع تھا کہ پھر حال تک آتے آتے اس کی گرفت سے شاید ہی کوئی افسانہ نگار بچ سکا ہو۔ انقلاب گو ایک بنیادی موضوع رہا مگر اس کے ساتھ ساتھ رومانوی رجحانات بھی متوازی چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سعادت حسن منٹو کے بعد شوکت صدیقی، ممتاز شیریں، غلام عباس، ممتاز مفتی، ابوالفضل صدیقی، احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد، انتظار حسین، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، انور سجاد، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی اور مسعود مفتی وغیرہ بے حد اہم نام ہیں۔ جو آزادی کے فوراً بعد دو دہائیوں میں ہمیں مذکورہ بالا رجحانات کی عکاسی کرتا ہوا افسانہ لکھتے نظر آتے ہیں۔ ان افسانہ نگاروں کے ہاں وطن کی محبت کے بیانیے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے مخدوش حالات کا رونا بھی رویا جا رہا ہے۔ فسادات نے جس طرح آزادی کی صبح کو داغ دار کیا، وہ اپنی جگہ مگر اس کے بعد لوگوں کے ساتھ کیا بیتی؟ اس کا اظہار بھی ان افسانوں میں باقاعدہ جگہ بناتا ہوا نظر آتا ہے۔

پاکستان میں افسانے کی ابتدائی دو سے تین دہائیاں حقیقت نگاری سے نمو پاتی ہیں۔ تیزی سے تبدیلی ہوتی ہوئی معاشرتی اور تہذیبی اقدار نے لوگوں کو اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ مسائل کی نئی نئی شکلیں پیدا ہونے سے افسانے کا اسلوب قدرے گڑبڑانے لگا تھا۔ ایک طرح کا رونا روتے روتے افسانہ نگار اب کسی نئے اسلوب کا متلاشی تھا۔ دھیرے دھیرے پاکستانی افسانہ نگار نے عالمی ادب کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کرنا شروع کیا:

> ''۱۹۶۰ء کے بعد کا نیا اردو افسانہ بالواسطہ طور پر نئی شاعری کی تحریک کے اثر کا نتیجہ تھا کیوں کہ نئے شاعر شاعری کی تخلیق کے ساتھ ادبی نظریہ سازی بھی کر رہے تھے کہ اردو ادب میں کلاسیکی ادب اور روایت کی جبریت نے تخلیقی عمل کو محدود کر دیا ہے۔ ادب معاصر زندگی سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ ادب میں جدیدیت کی لہر صرف پاکستان کے اردو ادب میں ہی نہیں چلی تھی، فرانس،

انگلستان اور لاطینی امریکہ کا ادب بھی ایک نئے سوشل آرڈر اور ایک نئے ادب کی ضرورت کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ اردو ادب کی تاریخ میں یہ دوسرا موقعہ تھا کہ اردو کے ادیب بین الاقوامی ادبی رجحانات سے ہمرکاب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ نئے افسانہ نگاروں نے سب سے پہلے ریلسٹ اسلوب افسانہ نگاری کو ترک کیا''۔(۴)

عالمی ادبی رجحانات کے استفادے کی صورت میں بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ بعض نقاد انہیں مسائل نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ان کے خیال میں رجحانات اپنے ساتھ کچھ تہذیبی اور شعوری تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں۔ خیر پاکستانی اردو افسانے کی یکسانیت سے نکلنے کی کوشش میں کہانی سے انکار، اینٹی سٹوری، بے نام کردار، خودکلامی، باطنیت نگاری، تحت الشعور نگاری، اور روزمرہ کی زبان برتنے سے گریز اور سیاسی جبر کے خلاف غیر تجزیاتی اظہاریے نے اردو افسانے کو ایک گھاٹی سے نکال کر دوسری میں داخل کر دیا۔ قاری کے ساتھ ربط اتنا کمزور ہوا کہ اس نے اسے علامتی اور تحریری افسانہ قرار دے کر غیر اہم سمجھنا شروع کر دیا۔ اردو میں سہل پسندی نے ایسا قاری تخلیق کر لیا تھا جو مذکورہ صورتِ حال کو قبول کرنے کو قطعاً تیار نہ تھا۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ ایک ایسا واقعہ یا حادثہ تھا جس نے پاکستانیوں پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ تخلیق کار چوں کہ زیادہ حساس ہوتا ہے اس لیے اس نے اس واقعے کا اثر زیادہ لیا۔ انتظار حسین، غلام الثقلین نقوی اور مسعود مفتی وغیرہ نے اپنے افسانوں میں اس جنگ کو موضوع بنایا تو قاری ذرا سا متوجہ ہوا۔ یہ اثرات ابھی جم بھی نہیں پائے تھے کہ سقوطِ ڈھاکہ جیسا المیہ ۱۹۷۱ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اس المیے اور بعد کی آمریت نے افسانے کو بارِ دگر متاثر کیا۔ ان المیوں کی گونج ہمیں مشرقی پاکستان کے جن افسانہ نگاروں میں نظر آتی ہے، علی حیدر ملک، محمود واجد، احمد زین الدین، شہزاد منظر، محی الدین نواب، اختر ماہ پوری اور شبنم یزدانی کے افسانوں میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہے کہ مشرقی پاکستان کے المیے کے فوراً بعد ہمارے اردو افسانے میں قومی تشخص اور پاکستانی شناخت کا بیانیہ زور پکڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب لکھاری اس معاملے میں خاصا جذباتی دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان کے جن اہم افسانہ نگاروں کے ہاں یہ سوال پوری قوت کے ساتھ سر اُٹھاتا نظر آتا ہے ان میں انتظار حسین، مسعود اشعر، انور عنایت اللہ، منیر احمد شیخ، اے خیام، مسعود مفتی، غلام الثقلین نقوی اور رشید امجد کا افسانہ خاص طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر فہیم اعظمی، امراؤ طارق، اعجاز فاروقی، محمد الیاس، مرزا حامد بیگ، آصف فرخی، امجد طفیل، نعیم آروی، سلیم آغا قزلباش، رام لعل، ہرچرن چاولہ، محمد حمید شاہد، نصیر احمد ناصر، گلِ نوخیز

اختر، آغا سہیل، احمد جاوید، اسد محمد خان، اصغر ندیم سید، محمود احمد قاضی، سراج منیر، حامد سروش، مرزا اطہر بیگ، حمید کاشمیری، نوید انجم، شاہد کامرانی، محمد عاصم بٹ، غافر شہزاد، نیلوفر اقبال، خالدہ حسین، الطاف فاطمہ، جمیلہ ہاشمی، اختر جمال، نشاط فاطمہ، فرخندہ لودھی، سائرہ ہاشمی، عذرا اصغر، شمع خالد اور نوید احمد نوید سمیت درجنوں افسانہ نگار اس گروپ میں شامل ہیں جن کے افسانے میں قومی تشخص اور علاحدہ شناخت سے متعلق سوالات اور جوابات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک قومی تشخص اور علاحدہ شناخت کا مسئلہ ہمارے تخلیقی تجربے کا شاید سب سے بڑا سوال رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ارتقا کے اس سفر میں کئی پڑاؤ ہیں جن میں سے زیادہ تر المیوں سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔ یہ الم ناک پہلو ہمارے تخلیق کاروں کو پوری طرح جکڑے ہوئے ہے۔ جب تک کنفیوژن دور نہیں ہوتا قومی تشخص اور علاحدہ شناخت کے حوالے ہمارے ادب کے تخلیقی سرمائے کا سب سے بڑا موضوع رہیں گے۔ شاید ارتقا کے سفر میں قوم کی خوش قسمتی ہے کہ قومی تشخص تخلیق کاروں کو متوجہ کیے ہوئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومی تشخص اور علاحدہ شناخت کا مسئلہ مسلمان قوم کے ساتھ بالکل جداگانہ نوعیت کا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں سے پہلے جو قوم بھی ہندوؤں سے نبرد آزما ہوئی یا اس کے مقابل آئی وہ انہیں میں ضم ہو کر رہ گئی مگر مسلمان جب برصغیر میں آئے تو ہندوؤں نے پرانے حربوں سے اسے فتح کرنا چاہا مگر اسلامی تہذیب کی جڑیں چوں کہ بے حد گہری ہیں اس لیے مقامی آبادی کا اندازہ درست ثابت نہیں ہوا۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی لکھتے ہیں:

> ''اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں وہ قوم داخل ہوئی جس کے دامن میں ایک وسیع اور ہمہ گیر اور مربوط تہذیبی سرمایہ موجود تھا۔ وہ کوئی خانہ بدوش قوم نہ تھی کہ جو ہندوستان میں سیاسی یا معاشی پناہ حاصل کرنا چاہتی تھی جو اس مقصد کے حاصل کرنے کے بعد یہاں کی تہذیبی قوتوں کے آگے ہتھیار ڈال دیتی بلکہ ہوا یوں کہ اس قوم کے ہندوستان میں داخل ہونے سے ہندوستان کی تہذیبی قدروں میں ایک انقلاب کے آثار پیدا ہو گئے۔ اگرچہ بیک وقت کوئی خاص تبدیلی رونما نہ ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اس نے اثر انگیزی کا اعجاز دکھایا۔ جب پورے شمالی ہند میں اس کا سکّہ چلنے لگا اور انہیں یہاں کے ہر اعلیٰ و ادنیٰ طبقے سے واسطہ پڑا تو یہاں کے تہذیبی خدوخال تیزی سے تبدیل ہونے شروع ہوئے۔ نئی زبان کی کی بنیاد پڑی۔ نئی اخلاقی اقدار رائج ہوئیں اور نئے معاشرتی اصول اپنائے گئے۔ اس طرح فطرتاً اُن کے طور

طریقے رہن سہن اور بود و باش کی اہمیت بڑھ گئی لیکن کچھ لوگوں نے
اس طرزِ زندگی کو رغبت، کچھ نہ مطلب برآری کی خاطر اور کچھ نے
مرغوبیت کی خاطر اسے اپنایا۔ یہ مسلمان قوم تھی۔''(۵)

جیسے ہی انگریز نے برصغیر میں مسلمانوں کو زیر کیا تو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں اور سازشیں تیز کر دیں۔ انگریز کو ہندوؤں کی یہ مدد بہت بروقت میسر آئی لہٰذا اس نے ہندوؤں کی بھرپور سرپرستی کا فریضہ انجام دیا۔ ایسی صورتِ حال سے گزرتے گزرتے مسلمانوں کو تقسیم تک آگ اور خون کے کئی سمندر پار کرنے پڑے۔ لامحالہ وہ اپنی شناخت اور تشخص کے معاملے میں بجا طور پر بے حد حساس واقع ہوئے ہیں۔ اسی حسّاسیت کی جھلکیاں اور اثرات ہمیں اردو افسانے کے پاکستانی دور پر نمایاں نظر آتے ہیں اور یہ سلسلہ رُکا نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، پاکستانی ادب شاخت کی نصف صدی، راولپنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۱۶

۲۔ روبینہ شہناز، ڈاکٹر، اردو تنقید میں پاکستانی تصورِ قومیت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص:۷

۳۔ ایضاً، ص:۲۷۰۔۲۶۹

۴۔ انیس ناگی، پاکستانی اردو ادب کی تاریخ، لاہور: جمالیات، ۲۰۰۴ء، ص:۱۸۱

۵۔ مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۸

☆.....☆.....☆